آپ ﷺ کی تبلیغ اور عمل میں اعتدال پسندی کے نمایاں پہلو

مفتی ثناء اللہ محمود
صدر شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ اسلامیہ آرٹس، کامرس کالج کراچی

Prof. Sanaullah Mahmoud .

ABSTRACT:

Islam the religion of Peace and Brotherhood. Religion of Islam teach to all the human society of learn and read to holy Quran and Seerat Rasool (S.A.W) Muhammad (S.A.W) that last Prophet of God.

Twentieth (20) century was unstressed many a leader taking of a new world order. But the situation has materially changed over the last three centuries. To single out Muslims resurgence as fanatical and fundamentalist is not going to change the realities on the ground. Muslims do not constitute a threat to the west. Muslim are only trying to set their own house in order. Muslims people and the nation of the 3rd world would never be prepared to accept new hegemony. Small and big poor and rich, weak and powerful have an equal and standards.

Muslims want to reconstruct their socio-economic order according to the values of Islam. Islam offers a very through scheme for the promotion of world peace. Islam has a message of peace, love, and harmony for the interim period as well.

آج کی دنیا میں ہر طرف ایک بحث چھڑی ہوئی ہے کہ مذہب انسانی زندگی کے لئے ضروری ہے یا نہیں؟ اور اس کے ساتھ یہ بحث بھی ہے کہ مذہب اگر ہو بھی تو اس کے خدوخال دنیا میں اسے ماننے اور لوگوں کو اس کی طرف راغب کرنے کے اعتبار سے کیا ہونے چاہئیں؟ اسی کے ذیل میں مذہبی انتہا پسندی، اعتدال اور روشن خیالی کے چرچے بھی ہو رہے ہیں، ایک طرف ذا اعتدال اور روشن خیالی کا اسلامی تصور ہے دوسری طرف مغرب اور غیر مسلم اور انہی کے ساتھ بعض مغرب نواز مسلمانوں کا اپنا ایک نظریہ ہے اور روشن خیالی و اعتدال کو مذہبی اقتدار اور تعلیمات سے دور رکھنے کا نام سمجھا جا رہا ہے، اس صورت حال میں اس بات کی طرف توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے کہ اسلامی اعتدال پسندی کس کو کہتے ہیں، مذہب کیا ہے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز اعتدال اور امن پسندی کا طرز کیا تھا؟ کیا مذہب اسلام شدت پسندی کی تعلیم دیتا ہے؟ یا اسلام مثالی حکومتوں خصوصاً خلفاء راشدین یا آنجناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی شدت پسندی کی اشارتاً یا کنایتاً کبھی تحسین کی؟ ہم نے اس مضمون میں کوشش کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز اعتدال کا جائزہ لیں اور اسی میں مذہب دین کے تعارف، اسلام کے (بحیثیت ایک دین کے) خدوخال معاشرتی اور سماجی طریقہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کا اس انداز سے جائزہ کہ آپ کا رویہ غیر مسلموں کے ساتھ کیسا تھا اور آپؐ نے اس زمانے کی شدت پسند قوموں کے مقابلے میں امن پسندی اور اعتدال کا کیا انداز اپنایا؟ غیر مسلم حکومتوں اور رعایا کے ساتھ آپ ﷺ نے اعتدال کے کیا مظاہر پیش فرمائے۔ ان سب پر گفتگو کریں گے مگر پہلے ہم جاننا چاہتے ہیں کہ مذہب کا بنیادی تصور کیا ہے۔

مذہب کا بنیادی تصور:

مذہب کی بے شمار تعریفیں کی جاتی ہیں اس لئے کسی ایک تعریف کو حتمی نہیں کہا جا سکتا، البتہ اتنی بات طے ہے اکثر لوگ مذہب کو روحانی اعتقادات سے منسلک کرتے ہیں۔ انسائیکوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس میں کہا گیا ہے کہ مذہب روحانی موجودات پر عقیدہ رکھنے

کو کہتے ہیں۔(۱) اسی طرح بعض لوگوں نے کہا ہے کہ مذہب دل و دماغ کی گہرائی سے کسی کی پیروی کرنے کو کہتے ہیں جس میں یہ یقین شامل ہو کہ یہ اس کی دنیاوی اور اخروی فلاح کا راستہ ہے۔(۲)

اسی اعتبار سے اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات جیسا کہ اسلامی تصورات میں موجود ہے کہ مذہب کی ابتداء انسانیت کی ابتداء ہی سے ہے اوداس پر غیر مذہبی تحقیقات بھی دلالت کرتی ہیں، جیسا کہ پروفیسر شمٹ لکھتے ہیں:

اس بات میں اب کوئی شبہ نہیں رہا انسان کا ابتدائی تصور مذہبی تھا اور اعلیٰ ترین ہستی یعنی اللہ جل جلالہ کے بارے میں اس کا تصور توحید پر مبنی تھا، چنانچہ اس تصور سے توحید یعنی خدائے واحد ہونے کے یقین کا مذہب وجود میں آیا۔(۳)

چنانچہ مذہب کا تصور یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے زمین میں اپنا نائب بنایا تو اسے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کی انفرادی اور اجتماعی ضرورتوں میں کارآمد اصول بھی عطا کیے اور زندگی گزارنے کا طریقہ اسے الہام کیا پھر ہر دور میں انسانوں کو ہدایات پہنچانے کا انتظام بھی کیا، چنانچہ ایسی ہدایات دی گئیں جو ان کی تمام ضرورتیں پوری کرنے اور انہیں قانون کے مطابق انجام دینے میں معاون بنیں، گویا مذہب کا یہ نظریہ کہ انسان شروع سے ایک خدا کو ماننا اور اس کے احکامات پر عمل کرتا چلا آیا ہے، ایک قدیم نظریہ ہے۔

اسلام فطرت کے مطابق "مذہب" ہے:

انسان اپنے نظام کی تمام پیچیدگیوں کے ساتھ تمام خواہشات، محسوسات اور یقینی اور غیر یقینی کیفیات کے ساتھ خود کو فطرت کے مقابل کھڑا دیکھتا ہے، جس میں دریادلی، بخل، حرص، وتر بد خطرہ اور تحفظ جیسی اضداد کو ایک ساتھ ملا جلا دیکھتا ہے جو اس کے لئے ناقابل فہم انسانی ذہن اور اس کے طریقوں کے خلاف بلکہ متضاد ہوتا ہے اور اس تضاد کو کبھی کوئی خالص عقلی فلسفہ یا تجرباتی علم حل نہیں کرسکا، بس! یہی وہ مقام ہے جہاں مذہب اس کی رہنمائی کرتا ہے اور انسان

اور فطرت کو ایک رشتہ میں منسلک کر دیتا ہے، چنانچہ مذہبی مشاہدے اور تجربے کی روشنی میں باشعور انسانی انا اور بظاہر غیر ذمہ دار فطرت ایک روحانی ہم آہنگی کے رشتہ میں بندھ جاتے ہیں۔(۴)

دین کا معنی:

اسلام نے مذہب کے ساتھ ''دین'' کی اصطلاح بھی جاری فرمائی ہے، قرآن اور سنت میں اسلام اور دین کی اصطلاح کو بہت زیادہ استعمال کیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

انّ الدّین عنداللّٰہ الاسلام(۵)

بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے۔

اسی طرح اسلام کو دین حق سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔(۶) اور دین قیم سے بھی (۷) اسی طرح کفار سے واضح دوٹوک الفاظ میں کہا گیا ہے، تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین ہے۔(۸) بہر حال! دین کے لغوی معنی طریقہ، راستہ اور شریعت کے ہیں، اسی طرح رسم و رواج اختیار کر لینے کو بھی دین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔(۹) اسی طرح دین کو نظام زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان تمام باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دین ایسے نظام یا ایسے راستہ کو کہتے ہیں جسے انسان زندگی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، اور شرعی لحاظ سے اس کا معنی ہوگا کہ رب تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول اور تابعداری کے لئے انسان اس کے بتائے ہوئے، جس راستے کو اختیار کرے، وہی راستہ دین ہے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ادیان سابقہ اور دین اسلام کے مابین اشتراک و مساوات کے چند پہلوؤں کا تذکرہ کریں تاکہ ایک طرف لغوی معنی اور اصطلاحی مفہوم کا باہم دیگر ربط و تعلق واضح ہو جائے اور دوسری طرف دوام کا تقاضا بھی پورا ہو جائے، زمانہ تین حصوں میں منقسم ہے، ماضی، حال، مستقبل، زمانہ حال تو جاری و ساری ہے اور مستقبل کی ضمانت بہ سبب تکمیل دین و بصورت ختم نبوت موجود ہے، تاہم دوام کے نقطہ نظر سے ماضی کا معاملہ بھی مبہم اور

نامعلوم نہیں ہے، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے) کا نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمد ﷺ) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالنا، جس چیز کی طرف تم مشرکوں کو بلاتے ہو وہ ان کو دشوار گزرتی ہے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی بارگاہ کا برگزیدہ کر لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے اسے اپنی طرف سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔(۱۰)

دین اسلام جو امت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے شروع کیا گیا ہے، یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، حقیقتاً یہ سابقہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے ہی ادیان سابقہ سے مماثل اور مشابہ قرار دینے میں حجت سے کام لے رہے تھے اور اجنبیت برت رہے تھے، دراصل وہ اپنی ناراضگی اور دشمنی کا اظہار کر رہے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (دین اسلام کی تفہیم کی خاطر) ایک سیدھی لکیر کھینچ کر فرمایا کہ یہی لکیر تحمل الرشاد ہے، تو پھر اس لکیر کے اردگرد دائیں بائیں چند لکیریں کھینچیں اور ارشاد فرمایا کہ یہ سب راستے شیطانی راستے ہیں جن کی طرف شیطان ملعون ہر وقت دعوت دیتا رہتا ہے، پھر قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ

هذا صراطي مستقيماً فاتبعوه

یعنی وہ واحد لکیر میرا سچا اور سیدھا راستہ ہے، پس اس کی پیروی کرو۔

تلاوت فرمائی۔

دین اسلام کی مماثلت کی وجہ یہ ہے کہ ادیان سابقہ میں بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان اس کی صفات الٰہیہ کا اقرار، سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت و رسالت کی شہادت، آسمانی کتابوں اور فرشتوں پر یقین، اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان والے عقائد موجود تھے، نیز ان انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں بھی ایسے ہی اوامر و نواہی موجود تھے، اس وضاحت کے پیش

نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ دین اسلام ایک طرف سے ادیان سابقہ کی جامع اور تکمیلی شرح ہے، اگر چہ بعض عملی احکام میں کسی نہ کسی نوعیت کے فرق وتفاوت کی بھی نشاندہی ہوتی ہے، جس کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے۔

ہم نے تم میں سے ایک (فرقے) کے لئے ایک دشوار طریقہ مقرر کیا ہے۔(۱۱)

لیکن اس سے اختلاف ادیان لازم نہیں آتا، جیسے فروع وجزئیات میں اختلاف تفریق دین نہیں کہلاتا، کیونکہ تمام ادیان سابقہ بشمول دین اسلام کا مقصد واحد اللہ تعالیٰ کے اوامر کا امتثال اور اس کی نواہی سے اجتناب ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس فعل کے کرنے کا حکم دیں اس کو بے چوں وچرا فوراً بجالاؤ اور تعصب وعناد یا خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہوئے اس کی بجاآوری میں لیت ولعل سے کام نہ لو۔

نیز اس سلسلے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول یہ ہے کہ تفرقہ جدائی اور نااتفاقی نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ اتحاد واتفاق باعث رحمت ہے جدائی اور پھوٹ باعث زحمت ومصیبت ہے۔(۱۲)

دین اسلام ایک تسلسل ہے:

علامہ قرطبی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو وہی دین دیا گیا ہے جو دین (توحید) رسالت، صلوٰۃ، زکوٰۃ، روزے اور حج، سچائی وراست بازی، ایفائے عہد، امانت میں دیانت، صلہ رحمی، حرمت کفر وقتل، حرمت زنا اور مخلوق خدا کی ایذا رسانی اور دلآزاری حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔(۱۳)

امام فخر الدین الرازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس آیت شریفہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہر رسول کی شریعت دو حصوں میں منقسم ہوتی ہے، ایک حصہ وہ ہوتا ہے جو ناقابل منسوخ اور

ناقابل تغیر ہوتا ہے، مثلاً امور خیریہ، صدق وصفا، عدل وانصاف اور احسان و تشکر اور امور قبیحہ، دروغ گوئی، ظلم وستم، ایذا رسانی اور دلآزاری شامل ہیں، دوسرا حصہ وہ ہے جس میں تبدیلی و منسوخی رونما ہوتی رہی ہے احکام شریعت متفاوت اور متفرق رہے یا جن میں کمی وبیشی واقع ہوئی تھی، دین اسلام دیگر ادیان سماویہ سے مختلف اور علیحدہ کیسے ہوسکتا ہے، جبکہ تمام انسانوں کی طبیعتیں اور فطرتیں یکساں رہی ہیں اور یہ سارے ادیان تنزیل من اللہ ہیں۔(۱۴)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی دین اسلام اور ادیان سابقہ کے مابین تسلسل ویگانگت کی نشاندہی فرمائی ہے ارشاد رسالت مآب ہے:

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انا اولی الناس بعیسیٰ بن مریم فی الدنیا والآخرة، الانبیاء اخوة لعلات امهاتهم شتیٰ و دینهم واحد.(۱۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ دنیا وآخرت میں تمام لوگوں کی بہ نسبت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے زیادہ قریب ہوں، ویسے بھی تمام انبیاء علاتی بھائی ہیں، اگرچہ ان کی مائیں مختلف ہیں، لیکن ان کا دین ایک ہی ہے۔

دین محمدی تکمیل اسلام ہے:

تمام انبیاء کرام اس دین کے داعی تھے جسے اسلام کہا جاتا ہے اور اس کی تکمیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے ذریعے کی گئی جیسا کہ خود ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

میری اور دیگر انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک گھر بنایا، اس کی بہترین انداز سے تکمیل کی، مگر اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی، لوگ اس میں داخل ہوتے اور اینٹ کی جگہ چھوڑ جانے پر حیرت کرتے کہ اس اینٹ کی جگہ کو خالی کیوں چھوڑ دیا؟ (عمارت انبیاء کی

وہ آخری اینٹ میں ہوں)(۱۶)

دوسرے مذاہب میں تحریف ہوگئی:

باوجود اس کے کہ تمام انبیاء کرام ایک ہی مذہب کے داعی تھے اور ایک ہی دین تھا، جس کی تکمیل ہوئی، لیکن گزشتہ انبیاء کرام کی تعلیمات پر مشتمل دین اپنی اصل شکل میں باقی نہ رہے کیونکہ ان کی حفاظت انسانوں کے ذمے تھی اور دین محمدی ﷺ کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا، اور دین کو ہر طرح سے مکمل بنایا۔ اب کسی اور دین یا نبی کی ضرورت نہ رہی۔

اسلام ایک عالمگیر مذہب:

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اس کی عالمگیر تعلیمات ہیں اور اس کا عالمگیر نظریہ نظریہ توحید ہے۔ جس کو قرآن کریم ایک ازلی و ابدی نظریہ بتاتا ہے جو گزشتہ تمام انبیائے کرام کے پیغامات کی اصل روح تھی۔

اسی لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ(۱۷)

تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی نہیں ڈالی، جو تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین (ملت) ہے اور اس (اللہ تعالیٰ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝(۱۸)

کہہ دیجئے کہ میرے اللہ نے میری ہدایت صراط مستقیم کی طرف کی ہے جو دین قیم ہے، جو ملت دین ابراہیم ہے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔

ومن یرغب عن ملة ابراهیم الامن سفه نفسه(۱۹)

جو شخص ملت (دین) ابراہیم سے روگردانی کرے وہ اپنی ذات کو ہلکا بناتا ہے۔

توحید کا مرکزی تصور اسلام کی اساس ہے اور یہی اساس اس کو کفار اور مشرکین سے جدا کرتی ہے اسی لئے جو ادیان سابقہ عقیدہ توحید پر مبنی تھے جیسا کہ عیسائیت کا حال ہے، باوجود تحریف عقیدہ توحید پر مبنی تھے، جیسا کہ عیسائیت اور موسویت کا حال ہے، باوجود تحریف عقیدہ توحید کے ان میں اسلام سے ایک حد تک مماثلت تھی، شاید یہی وجہ ہے کہ مذاہب عالم کے جاننے والے علماء جب مذاہب کی اصولی تقسیم کرتے ہیں، تو وہ اسلام، عیسائیت اور موسویت کو توحیدی مذہب میں داخل کرتے ہیں، یہاں تک کہ عیسائیت بھی یہی کہتے ہیں، چنانچہ Bathmon لکھتے ہیں:

''اللہ کے سوا کوئی اِلہ (معبود) نہیں، اسلام، عیسائیت اور یہودیت کی طرح ایک خالص توحیدی مذہب ہے۔ یہ تینوں مذاہب ایک خدا کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن ہر ایک میں خدا کی ایک مختلف صفت پر زور دیا گیا ہے۔''(۲۰)

اسلام کا بنیادی تقاضہ توحید، رسالت اور عقیدہ آخرت ہے۔ جن کے ساتھ ہی یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ دن رات میں پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ کے آگے سربسجود ہونا سال بھر میں ایک ماہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر روزہ رکھنا، یعنی دن بھر کھانے، پینے اور نفسانی خواہشات سے پرہیز، استطاعت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنا، زندگی میں ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کرنا اور بوقت ضرورت اس کے نام پر زندگی قربان کر دینا ضروری ہے۔ اس طرح کے نظریہ حیات کو اپنا کر ہر انسان اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ کسی بھی نسل یا ملک سے ہو، وہ کسی بھی رنگ کا مالک یا معاشرے میں اس کا کوئی بھی مقام ہو اس لئے کہ اہل ایمان کی پہچان کا رشتہ ایمان ہے۔

انما المومنون اخوۃ(۲۱)

بے شک سارے مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔

ان کی قومیت کے عناصر ہی الگ ہیں، ان کی ملت کی ترکیب ہی جدا ہے۔ سب کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا گیا ہے، ایک جسم سے مشابہت دی گئی ہے۔(۲۲)

اسلام کا خاص اعزاز

ظہور اسلام کے وقت دنیا میں مختلف مذاہب موجود تھے، انہوں نے کبھی مذہبی اختلاف سے بالاتر ہو کر صرف انسانیت کی بنیاد پر بنی نوع انسان کو متحد ہونے کی دعوت نہیں دی تھی، بلکہ ان مذہبوں کے ماننے والے ایک دوسرے سے نہ صرف نفرت کرتے تھے بلکہ مذہب کے نام پر دوسروں کو تکلیف پہنچانے کو ایک قسم کی عبادت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ بھی سمجھتے تھے۔ اسلام نے انسانیت کی بنیاد پر تمام انسانوں کو یگانگت کا نعرہ بلند کر کے بنی نوع انسان کے روبرو ایک نئی راہ کھول دی تھی۔

اسلام نے اپنی دعوت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر قائم کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یہ اسلامی تصور مذہب سے کہیں زیادہ بنی نوع انسان اور انسانی معاشرہ کی اصلاح او استحکام کے خیال پر مبنی تھا اسلام اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرانے کے بعد انسان کے ذہن کو اس طرح جاننا چاہتا تھا کہ جب پوری کائنات کا خالق اور مالک ایک ہی ہے تو اس کے نام پر مخلوق کے درمیان نفرت اختلافات اور کشیدگی کو باقی نہیں رہنا چاہئے۔

خطبہ حجۃ الوداع کسی سیاسی مصلحت کا نتیجہ تھا نہ کسی وقتی جذبہ کی پیداوار، یہ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی رعایا کے نام آخری پیغام تھا، جس میں یہ بتایا گیا کہ انسانیت کی بقاء کا راز احترام انسانیت میں مضمر ہے۔ دوسری طرف اعلان خداوندی ہوا:

الیوم اکملتُ لکم دینکم و أتممت علیکم نعمتی(۲۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری

کردی۔

اسلام اپنے مزاج اور حقیقت کے اعتبار سے تبلیغی مذہب ہے:

پروفیسر میکس مولر کی مشہور تقسیم کے لحاظ سے مذاہب عالم کے منجملہ عیسائیت بدھ مت، اور اسلام تبلیغی مذاہب ہیں۔ لیکن بدھ مت اور عیسائیت کے بارے میں واضح ہے کہ اپنی اصلی تعلیمات اور تاریخ کے مطابق یہ تبلیغی نہیں، اس کے برخلاف اسلام قرآن وحدیث کی تعلیمات اور اپنی تاریخ کی بناء پر ایک تبلیغی مذہب ہے۔ چنانچہ قرآن کریم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتا ہے:

ان علیکم الا البلاغ (۲۴)

تمہارے ذمہ صرف تبلیغ ہے۔

تمام مذاہب عالم میں عیسائیوں کو چھوڑ کر صرف مسلمان ہی ایک عالمگیر قوم ہیں، چنانچہ ایک عیسائی ایڈورڈ جرجی لکھتا ہے:

دنیا کا عمومی جغرافیہ اسٹیج ہے جس میں زمین کے تمام براعظم شامل ہیں۔ زمانہ ساتویں صدی عیسوی کے بعد کی تاریخ ہے۔ ڈرامے کے افراد اور شخصیتیں بنی نوع انسان کی مختلف ومتعدد نسلیں ہیں، عرب، ایران، ترک، یورپی، منگولی، حبشی، ہندو، انڈونیشی، سیاہ فام اور گورے ہر روغن والے، عنوان اگر چہ عربوں کا ہے، لیکن اصلی کردار ہمیشہ خود اسلام نے ادا کیا ہے۔ اگر اسلام کی چہار گونہ (زمانہ مکان نسل اور زبان کے) کوئی معنی ہیں تو وہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین نے اجتماعی زندگی میں ایک زبردست کردار ادا کیا اور انسانیت نواز حصہ لیا۔ (۲۵)

اسلام دنیا کی ضرورت ہے:

آج دنیا کو جس دین ومنشور کی ضرورت ہے جو ان کے تمام بنیادی، آفاقی اور الجھے ہوئے مسائل کا حل پیش کرے وہ صرف اسلام کے پاس ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم تمام بنی نوع انسان اور جنات کا مشترکہ سرمایہ ہیں، کیونکہ

عالمی طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انسانی تعلیمات ایک نعمت خداوندی ہے تو نعمت پر تمام انسانوں اور دیگر مخلوقات کا حق یکساں رہا ہے۔

مسلمان ایک نمائندہ قوم ہے:

قدیم دنیا کے جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہ نسل انسانی کی تمام اصلی اور بڑی نسلوں کی نمائندہ قوم ہے۔ چنانچہ جب ہم قدیم دنیا کے مذہبی فرقوں کی نسلی تقسیم پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلم اقوام میں سامی نسل، آریائی نسل اور منگولی نسل کے اکثریتی علاقے داخل ہیں اور ان کی آزاد سلطنتیں ان تینوں بنیادی نسلوں کی نمائندہ ہیں۔ مسلمان کی یہ خصوصیت ایسی ہے جو دنیا کے دیگر مذاہب کو حاصل نہیں۔ اس وجہ سے مسلمان ان تین نسلوں کی عام اچھی اور نمائندہ صفات کی حامل ہیں، ان کی تہذیب و تاریخ کو ایسی ہم آہنگی نصیب ہوئی، جو بدلتے زمانوں اور مقامات میں انکی بقاء اور تہذیب اسلامی کی یکسانیت کو برقرار رکھتی ہے۔(۲۶)

نمائندہ ہونے کی ذمہ داری:

تمام نسل انسانی کی نمائندہ قوم ہونے کی بناء پر اور تمام اقوام میں ممتاز ہونے کی بناء پر ہمارا فرض تو یقیناً یہ ہے کہ دین حق کی دعوت دوسروں تک پہنچائی جائے، مگر کسی کو مجبور کرنے کی قطعی اجازت نہیں، قرآن کریم کی اس آیت پر غور کیجئے:

ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم جمیعاً أفانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین(۲۷)

اگر آپ کا رب چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ایمان لے آتے، کیا آپ لوگوں کو اس بات پر مجبور کریں گے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔

جب اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ حکم ہے تو ہم کون ہوتے ہیں؟

دین کے بارے میں زبردستی کرنے والے۔ اسلام کی حقیقی تعلیمات یہی ہیں کہ دین کے بارے میں جبر و تشدد کی مطلقاً اجازت نہیں۔ تبلیغ اسلام ضروری ہے لیکن کس انداز سے؟ آیت قرآنی پر غور کیجئے

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ
وجادلھم بالتی ھی احسن (۲۸)
آپ ﷺ حکمت اور عمدہ نصیحتوں کے ذریعہ (لوگوں کو) اللہ کی طرف
بلایئے اور ان سے اچھے طریقے سے بحث کیجئے

پہلے خود عمل کرنے کی ذمہ داری:

سب سے پہلے مسلمان کو خود عمل کرنا ضروری ہے اور اس کے لئے قرآن کریم کو اپنا رہنما بنانا ضروری ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کی بے شمار آیات اور احادیث طیبہ سے یہ بات ثابت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جن کو تم مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ (۲۹)
اسی طرح سنن نسائی کی حدیث میں آپ ﷺ نے خلفاء راشدین کی عملی سنت اور ان کے طریقے کو فتنوں کے زمانے میں ثابت قدمی کا سب سے اہم ذریعہ بتلایا ہے۔ (۳۰)

اسلام دین فطرت ہے:

دین اسلام اور اس کے نظریہ حیات کی سادگی اور فطرت کے مطابق ہونا اس کی بڑی طاقت ہے کہ ایک عام جاہل شخص بھی اسلامی نظریہ کو بڑی آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔ بنیادی اسلامی عقائد توحید و رسالت انتہائی مختصر اور سادہ ہیں۔ اسی طرح ارکان اسلام بھی اپنے معنی اور مقصود پر دلالت میں کوئی ابہام نہیں رکھتے۔ عالم اور عام شخص اس کو یکساں سمجھ سکتے ہیں۔ اسی بارے میں ایک عیسائی عالم لیئیونارڈ ولیم لکھتا ہے:

اسلام جس چٹان پر کھڑا ہے، یہ جنت کی واحد چابی ہے، جو اسلام کے ماننے والوں کے لئے ضروری ہے اور وہ ہے قرآن کریم، یہ ایک سادہ اور عملی مذہب ہے، جس کے اصولوں میں ان چیزوں کا حصول بھی کافی ہے، جو معمولی لکھے پڑھے شخص کی دسترس میں آسانی سے آجاتے ہیں۔(۳۱)

یعنی اسلام کے احکامات اتنے سہل اور سادہ ہیں کہ معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی ان احکامات کی گہرائی سے واقف ہو سکتا ہے۔ (لیکن واضح رہے کہ ان میں حکمت وعقائد کے احکامات کی طرف اشارہ نہیں کیونکہ وہ خالصتاً علماء اور فقہاء کے فن اور عبور کی چیزیں ہیں)

لہٰذا ہم اس پر غور کرتے ہیں کہ اسلام اتنی خوبیوں والا مذہب ہونے کے بعد امت کے لئے رہنمائی کا فریضہ کس طرح انجام دیتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے رہنمائی لیتے ہیں۔

اسلام اور نبی کریم ﷺ کا مزاج:

صلح کل، اعتدال پسندی اور انتہائی وسعت قلبی کی اس عجیب وغریب اسلامی تعلیم میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا ہے کہ یہودی، عیسائی اور صابی اور دیگر مذاہب اپنے اپنے مذہب کو ترک کردیں بلکہ اپنے اپنے الہامی مذہب کی تجدید کرتے ہوئے چند بنیادی امور پر عمل کریں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننا، مرنے کے بعد حساب کتاب کا یقین کرنا اور زندگی بھر عمل صالح کرنا یہ اجر ملنے اور خوف سے بچنے کے لئے کافی ہے، حقیقت میں ایک طرح سے ایک بنیادی مذہب مرتب کرنا تھا، اور اسی بنیاد پر مذہب کو پھیلانا تھا۔

تمام لوگوں کو ایک مذہب اختیار کرنے کی دعوت:

إن الدین عند اللہ الإسلام(۳۲)

بے شک دین اللہ تعالیٰ کے ہاں سوئیں اسلام ہے۔

ومن یبتغ غیر الاسلام، دینا فلن یقبل منہ(۳۳)

اور جو کوئی چاہے سوا دین اسلام کے اور کوئی دین سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا۔

ان آیات میں اسلام نے مذاہب عالم کو دعوت دی اور آج بھی وہ دعوت باقی ہے کہ اپنے ہاں کے اصلی مذاہب پر رجوع کرو، بعد کے زمانہ کے حذف و اضافہ سے باز آ جاؤ، توحید، قیامت اور عمل صالح مابہ الاشتراک امر پر انضمام نہیں، تو اتفاق کرلو، مذہب کی اصلی تعلیم کو مانیں تو پھر اصول کی حد تک اختلاف ہے ہی نہیں اور چونکہ بلا استثناء ہر جگہ اور ہر مذہب و ملت میں ایک آخری تسکین دھندہ کی بشارت و پیشین گوئی موجود ہے، اس لئے اپنے مذہب کی کامل تعمیل میں اس کی اطاعت بھی آتی ہے۔ یوں بھی نجات کے اس طریقہ سے استدلال کے لئے نبی عربی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہی میں پیش کرنا انہی کے لئے ضروری ہوگا، اس طرح مذہبی تعصب کی معیت سے انسان کو نجات مل جاتی ہے، اور لا إکراہ فی الدین (سورہ بقرہ) ایک ایسا سنہری اصول تھا، جو اس سے پہلے "کہنا چاہئے" سنا ہی نہیں گیا تھا۔ (۳۴)

دعوت رسول ﷺ کا مزاج و انداز:

ایک مذہب پر آنے کی دعوت اور وہ بھی اتنے سہل اور میٹھے انداز میں اس کی مثال بہت مشکل سے ملے گی، صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز تھا۔ چنانچہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ احکامات نازل فرمائے اور دعوت کا اسلوب متعین فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے:

ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي احسن (۳۵)

اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی طرح فکر دلا کر دعوت دو اور ان سے حق الفاظ سے مباحثہ کیجئے جو بہترین (الفاظ اور پیرایہ) ہو۔

چنانچہ دعوت دینے کے تین اصول متعین ہو گئے:

﴿۱﴾ حکمت کے ساتھ دعوت دینا۔

﴿۲﴾ اچھی طرح سمجھ کر غور و فکر کر کے دعوت دینا۔

﴿۳﴾ اگر مباحثہ کی نوبت آ جائے تو اچھے الفاظ اور بہترین پیرائے میں جواب دینا۔

چنانچہ دعوت کے بنیادی اصول بھی یہی قرار پائے، اور سیرت نبویہ اسی انداز دعوت سے معمور ہے۔

دعوت جنگ کی حالت میں بھی دینا لازمی ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کو جہاد یعنی جنگ کے ماحول میں بھی فراموش نہیں کیا۔ جنگ بدر میں جب صفیں بندھ گئیں دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے تو بھی آپؐ نے ان دشمنوں کو دعوت اسلام دی اور اس وقت بھی جب حضرت علیؓ کو خیبر میں اسلامی علم عطاء کیا تو آپ نے فرمایا کہ:

> پہلے ان کو دعوت دینا اگر تمہاری دعوت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک شخص کو بھی ہدایت عطا فرمادی تو وہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہوگا۔ (۳۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سخت سے سخت بات سن کر اور خلاف مزاج معاملہ دیکھ کر بھی غصہ میں نہ آتے تھے۔ ایک دیہاتی نے آپ کی سواری کو راستے میں روک کر چند سوال کیے آپ ﷺ نے آرام سے سوالوں کے جواب دیئے اور فرمایا کہ اب اس کی لگام چھوڑ دو۔ اسی طرح ایک نوجوان نے بدکاری کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے بڑے دھیمے لہجے میں اس سے فرمایا کہ کیا تمہیں اچھا لگے گا کہ کوئی یہ عمل تمہاری ماں یا بہن کے ساتھ کرے؟ اس نے کہا نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا تو جس عورت سے تم کرنا چاہتے ہو وہ بھی کسی کی بہن اور ماں ہے۔ اس پر نوجوان نے توبہ کی۔

انتہا پسندی ایک لمحہ فکریہ

عصر حاضر میں انتہا پسندی کا رجحان نہ صرف مسلم امت کی موجودہ حالت کے پیش نظر

ایک نہایت اہم مسئلے کی صورت اختیار کر چکا ہے، بلکہ اس کا خاتمہ عصر حاضر کی اہم ضرروت اور دینی فریضہ بن چکا ہے۔

انتہا پسندی ایک ایسی غلیظ حرکت ہے جس سے ایک صحتمند معاشرہ کی مسلمہ روایات کو ایسا شدید نقصان پہنچتا ہے، جس کی تلافی بغیر اس کے خاتمے کے ممکن نہیں۔ یہ ایسا رجحان ہے، جس سے انسانی ذہن تبدیل ہو جاتے ہیں، نگاہ کا زاویہ بدل جاتا ہے، عادات واطوار، حقوق و فرائض کی قسمیں، خیر وشر کے معیارات، حلال وحرام کے پیمانے، اخلاقی قدریں، دستور و قانون، غرض کہ تہذیب وتمدن کا ایک ایک ادارہ وشعبہ ایسا پلٹ جاتا ہے کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک شر روفتن کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ اس قسم کے لوگ جذبات میں آ کر حقیقت پسندانہ عقلی سوچ کو چھوڑ کر اپنے جائز و ناجائز مطالبات حاصل کرنے کے لئے باہم الجھ جاتے ہیں۔ یہ ذہنی خلفشار انہیں قومی یکجہتی اور اجتماعی سوچ سے محروم بنا دیتا ہے، اس طرح وہ نہ صرف اپنی ذات کے لئے خطرہ ہوتے ہیں، بلکہ پورے معاشرے کے مستقبل کو بڑے خطرے میں ڈالدیتے ہیں، اور انکی بدنامی کا باعث بھی بنتے ہیں۔

انتہاپسندی کی تعریف:

انگریزی زبان میں انتہاپسندی کے لئے Extremism کا لفظ استعمال ہوتا ہے یہ لفظ Extrem سے لیا گیا ہے، اسپیریل ڈکشنری میں اس کے لفظی معنی آخری کنارہ یا آخری حد لکھا گیا ہے۔(۳۷) دی آکسفورڈ ڈکشنری میں اس کے معنی غیر معمولی، منفرد، نامناسب اور غیر متوازن بتائے گئے ہیں۔(۳۸) ان معنی کی روشنی میں غیر معمولی، منفرد نامناسب اور غیر متوازن سوچ اور عمل انتہاء پسندی کے زمرے میں آتا ہے۔ چاہے وہ کام اور سوچ سماجی، مذہبی، معاشرتی اور ثقافتی مفادات کے حصول کے لئے ہو۔ اس مطلب اور مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے ایک اور لغت میں اس کے لغوی معنی اس طرح بیان کئے گئے ہیں۔ سیاسی، سماجی، ثقافتی تبدیلی کے لئے سخت اور ناقابل یقین اقدام اُٹھانا انتہاء پسندی ہے۔(۳۹) اس سلسلے میں مزید

وضاحت کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ انتہاء پسندانہ صورتحال اور رویہ نہایت سخت اور عام معمول کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔(۴۰)

سماجی علوم کے ماہرین کے مطابق معاشرے میں انفرادی واجتماعی طور پر انتہاء پسندی کے رجحانات تب جنم لیتے ہیں جب معاشرے میں انسانی حقوق کی سیاسی اور معاشی استحصال مذہبی ولسانی برتری، تشدد سیاسی اور سماجی ناانصافی جیسی غیر اخلاقی اور غیر فطری روایات عام ہونا شروع ہو جاتی ہیں، اس پس منظر میں سماجیات کی مشہور کتاب Introduction to Sociology میں انتہاء پسندی کی تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے: ''جب سماجی اخلاقیات کے اصول واقدار اجتماعی بھلائی سے تبدیل ہوکر فرد یا کسی گروہ کے مادی نفع اور خود مطلبی کے دائرے تک محدود ہو جاتے ہیں۔ اس وقت روایتی سماجی بناوٹ میں دراڑیں پڑنا شروع ہو جاتی ہیں، اجتماعی سوچ اور قومی یک جہتی کا رفتہ رفتہ خاتمہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ اقدار کے مقابلہ میں مادی وذاتی مفادات عزیز بن جاتے ہیں، ایسے ماحول میں کچھ لوگ انفرادی اور کچھ گروہ اپنے طور پر ردعمل کی نفسیات کا شکار ہوکر غیر متوقع اقدام اُٹھاتے ہیں، جس سے مخالف شخص یا گروہ کو جانی و مالی نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔(۴۱) دوسرہ الفاظ میں معاشرے کے اندر جب انفرادی یا اجتماعی طور پر ذاتی اور گروہی مفادات کے لئے کسی فریق ثانی کے حقوق کی پامالی اس حد کو پہنچ جائے کہ اس کو اس کے سدباب کی کوئی شکل نظر نہ آئے۔ اور پہلا فریق اپنی طاقت کے بل بوتے پر دوغلی پالیسی اختیار کرے اور اپنی مرضی منشاء مفادات کی بنیاد پر اپنی زیادتی کو جائز قرار دینا شروع کرے تو فریق ثانی کے اندر مایوسی کا پیدا ہونا قدرتی عمل ہے، یہ مایوسی جب آخری حد تک پہنچتی ہے تو انتہاء پسندی کا روپ اختیار کرتی ہے۔(۴۲)

انتہاء پسندی خلافِ فطرت ہے:

اسلامی نقطۂ نگاہ سے انتہاء پسندی انسانی فطرت کے عین منافی ہے، اللہ تعالیٰ ساری کائنات کے خالق و مالک ہیں وہ مہربان معاف کرنے والا اور بردبار ہے۔ یہی صفات اللہ تعالیٰ

نے انسان کے اندر تحلیل کی ہیں، چونکہ انسان کو اختیار بھی دیا گیا ہے تا کہ اس کو آزمایا جائے، اس اختیار کی بناء پر انسان فطرتی طور پر وہ کام کرتا ہے جو اُسے خوشی پہنچاتے ہیں۔ اس لحاظ سے انسان کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ وہ کسی بھی انداز کو اختیار کرے، یعنی رحیم، کریم اور بردبار بن کر رہے یا اُن کے برعکس ظالم، انتہاء پسند یا تشدد پسند بن کر زندگی گزارے۔

انتہا پسندی دراصل ایک ایسا خیال ہے جس کی وجہ سے انسان یا گروہ اپنی آراء کو مقدس اور صحیح سمجھتا ہے، جس طرح اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو سمجھتا ہے، یعنی ایک انسان انتہا پسند تب بنتا ہے جب وہ نفسیاتی طور پر اس وہم وگمان میں مبتلاء ہو جائے کہ صرف اس کی راہ ہی صحیح ہے اس لئے دوسرے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ صرف اس کی راہ کو مقدس اور حق تسلیم کریں، ایک مرتبہ جب یہ وہم وگمان انسان کے ذہن میں پختہ ہو جاتا ہے تو وہ انسان ہر اختلاف رکھنے والے کو غلط اور ناقابل برداشت تسلیم کرنے لگتا ہے بلکہ یہاں تک اس کی سوچ پہنچ جاتی ہے کہ وہ اپنی ہر مخالف رائے رکھنے والے فرد یا گروہ کو گمراہ سمجھنے لگتا ہے اور اس پر کفر کا فتویٰ لگانے سے بھی گریز نہیں کرتا، بعض مرتبہ ایسی نفسیات میں مبتلا فرد اپنی رائے کو تسلیم کرنے کے لئے جلد بازی سے کام لیتا ہے اور مخالف فریق کے خلاف مسلح و پر تشدد کارروائی کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور ساتھ ساتھ اپنی کارروائی کو جائز حق بھی سمجھنے لگتا ہے یہ وہ نکتہ ہے جہاں سے معاشرہ انا اور لاقانونیت کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے، اس نقطہ نظر کی روشنی میں اپنے ہر جائز اور ناجائز مقصد کے لئے پر تشدد راستہ اختیار کرنا انتہا پسندی ہے۔ (۴۳)

اعتدال پسندی:

علامہ سید سلیمان ندویؒ محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں مذہبی اعتدال پسندی کی اہمیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”یہود تورات کے سوا کچھ نہیں مانتے، عیسائی تورات کے احکام نہیں مانتے، لیکن اس کی اخلاقی نصیحتوں کو قبول کرتے ہیں تاہم انجیل سے

پہلے کی دوسری زبانوں اور ملکوں کی آسمانی کتابوں کی نسبت مسلمانوں کی طرح ادب اور احتیاط کا پہلو بھی اختیار نہیں کرتے، پارسی اوستا کے باہر خدا کے کلام ہونے کا شبہہ بھی نہیں کر سکتے اور برہمن ویدوں کے باہر خدا کے فیضان کا تصور بھی نہیں کر سکتے، لیکن قرآن کریم پر ایمان لانے والا مجبور ہے کہ صحیفہ ابراہیم، تورات، زبور، اور انجیل کو اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر یقین کرے دوسری اگلی آسمانی کتابوں کی جن میں آسمانی تعلیمات کی خصوصیتیں پائی جاتی ہوں، تکذیب نہ کرے کہ ان کا کتب الٰہی ہونا ممکن ہے۔"

اسلام کی یہ تعلیم دنیا کی مہتم بالشان تعلیمات میں سے ہے جس کا وجود کسی دوسرے مذہب میں نہ تھا یہ رواداری بے تعصبی اور عام انسانی اخوت کی سب سے بڑی تعلیم ہے، یہودی اپنی کتاب چھوڑ کر تمام دوسری آسمانی کتابوں سے انکار کر کے بھی نجات کا منتظر رہ سکتا ہے، عیسائی تورات اور تمام دوسرے صحیفوں کا انکار کر کے بھی آسمانی بادشاہی کا متوقع ہو سکتا ہے۔ پارسی اوستا کے سوا دوسری ربانی کتابوں کو باطل مان کر بھی جنت کا استحقاق پیدا کر سکتا ہے، ہندو اپنے ویدوں کے سوا دنیا کی تمام آسمانی کتابوں کو دجل و فریب مان کر بھی آواگون سے نجات حاصل کر سکتا ہے، مگر مسلمان جب تک قرآن کریم کے ساتھ تمام دنیا کی آسمانی کتابوں کو منجانب اللہ نہ تسلیم کرے جنت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

یہ تعلیم صرف نظریہ کی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ عملاً اس پر اسلامی حکومت کے قوانین اور احکام پر ہیں۔ یہودیوں کی نظر میں صرف دو ہی قومیں ہیں بنی اسرائیل و غیر بنی اسرائیل یا اسرائیل کا گھرانہ اور غیر قومیں یا مختون یا غیر مختون اور ان ہی دونوں تقسیموں پر ان کے قانون کی بنیاد ہے۔ مسیحی یہود اور بت پرست گو کہ تین قومیں مانی جاتی ہیں، مگر چونکہ ان کے مذہب میں قانون نہیں، اس لئے وہ اکثر قانون میں رومن لاء کے پروردہ ہیں، رومن، عیسائیوں نیں بھی ملکی

حیثیت سے دو ہی تقسیمیں ہیں، رومی اور غیر رومی ایک رومی ملک میں غیر رومی کا کوئی حق نہیں ہے کہ رومی حکومت کے لئے اور غیر رومی غلامی کے لئے پیدا ہوا، پارسیوں میں نثر دان، ایران اور بیرونی لوگ یعنی دنیا کی دو ہی حیثیتیں ہیں، ہندوؤں میں اونچی ذاتیں اور اچھوت کی قوموں کی دو صورتیں ہیں اور وہ دیگر مذاہب کو تو حیثیت دینے پر تیار ہی نہیں۔ (۴۴)

دنیا کی چار اقوام:

اسلام کے گزشتہ عقیدے کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قانونی حیثیت سے دنیا کی قوموں کو چار طبقوں میں تقسیم فرمایا اور ان کے علیحدہ علیحدہ حقوق قرار دیئے، جن پر اسلام کی تیرہ صدیوں میں برابر عمل ہوتا رہا، یہ تقسیمیں حسب ذیل ہیں:

مسلمان:

جو قرآن کریم اور دوسری آسمانی کتابوں کو کتب الٰہی یقین کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا بھائی اور اچھائی اور برائی میں ایک دوسرے کا شریک ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم نے دنیا میں امن و امان اور مسلمانوں میں مذہبی اعتدال پسندی کے پیدا کرنے میں کتنا عظیم الشان حصہ لیا ہے، یہی وہ نظریہ تھا، جس نے مسلمانوں کو اپنے مذہبی عقائد اور شریعت کی سخت پیروی کے باوجود دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ مشارکت اور میل جول کے لئے آمادہ کیا اور مجوسیوں، صابیوں، یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر مختلف ملکوں میں ان ملکوں کے مناسب مختلف تمدنوں کی بنیاد رکھنے کی ان میں قوت پیدا کی۔

اہل کتاب:

یعنی ان کتابوں کے پیرو جن کے نام قرآن کریم میں مذکور ہیں یا کہہ لیجئے جو قرآن کریم کو گو آسمانی کتاب نہیں مانتے مگر ان کتابوں میں جن کا نام قرآن کریم میں مذکور ہے کسی کو وہ آسمانی کتاب مانتے ہیں وہ اپنی حفاظت کا مالی ٹیکس (جزیہ) ادا کر کے اسلامی حکومتوں کی حدود

میں رہ سکتے ہیں، ان کے معابد اور مذہبی عمارتیں محفوظ رہتی ہیں، ان کو اپنے مذہب پر مجبور نہیں کیا جاتا، ان کی جان و مال، عزت و آبرو کے مسلمان محافظ ہوتے ہیں، ان کی عورتوں سے مسلمان نکاح کر سکتے ہیں اور ان کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور کھا سکتے ہیں اور اپنا کھانا انہیں کھلا سکتے ہیں۔

شبہ اہل کتاب:

یعنی وہ لوگ جو قرآن کریم، تورات وانجیل وزبور کو نہیں مانتے مگر وہ خود ان کے علاوہ آسمانی کتاب پر ایمان لانے کے مدعی ہیں۔ جیسے صابی جو ایک آسمانی کتاب رکھنے کے دعویٰ کے باوجود ستاروں کو پوجتے ہیں اور مجوسی یعنی پارسی جو ایک آسمانی کتاب رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ساتھ ہی سورج آگ اور دیگر مظاہر قدرت کی پرستش کرتے ہیں، ترکستان اور سندھ کی فتح کے موقع پر علمائے اسلام نے انہی پر قیاس کر کے ہندوؤں اور بودھوں وغیرہ کو بھی اسی صنف میں داخل کیا۔ مسلمان ان کی عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے اور ان کا ذبیحہ نہیں کھا سکتے ان دو باتوں کے علاوہ اہل کتاب کے بقیہ تمام حقوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عطا کئے وہ اسلامی حکومت میں اعطاء جزیہ کے بعد ہر قسم کے ملکی حقوق میں شریک ہیں، ان کے جان و مال و آبرو اور ان کے معبدوں کی حفاظت اسلامی حکومتوں کا فرض ہے۔

کافر:

یعنی وہ لوگ جن کے پاس نہ کوئی آسمانی کتاب ہے اور نہ ہی کسی دین الٰہی لی طرف منسوب ہیں۔ (۴۸)

صلح حدیبیہ اعتدال کا نمونہ:

چنانچہ ان چاروں قسم کی اقوام کے ساتھ اسلام کا رویہ کیسا رہا ہم ذرا سی سر، ں پہ ڈالتے ہیں۔

صلح حدیبیہ اعتدال کا ایک اور قانونی اظہار تھا جو باقاعدہ غیر مسلم حکومت سے

معاہدے کے ذریعے کیا گیا اور اس میں جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا گیا، جو اس بات کا ثبوت تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا لایا ہوا دین بنیادی طور پر جنگ کرنے کو پسند نہیں کرتے امن کے داعی ہیں اور پھر دوسرا اظہار یہ کیا کہ جس مقصد یعنی خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے لوگ آئے تھے وہ اس مقصد کو محض رواداری اور امن کی خاطر چھوڑ دیا اور اگلے سال کے وعدے پر واپس چلے گئے۔

صلح حدیبیہ کے معاہدے کی شرائط دیکھنے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مسلمان ضدی اور ہٹ دھرم کے لوگ نہیں بلکہ روادار اور امن پسند ہیں وہ اپنے تئیں بڑے سے بڑے مقصد کو امن کی خاطر ملتوی کر سکنے کی ہمت اور قانونی جواز بھی رکھتے ہیں۔(۴۶)

صلح حدیبیہ کی کڑی شرائط:

صلح حدیبیہ میں مشرکین مکہ کی جانب سے جو شرائط لگائی گئیں وہ بہت کڑی تھیں اور ان کا رویہ بھی بڑا جارحانہ تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے امن کی خاطر بڑی خندہ پیشانی سے برداشت فرمایا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن مشرکین مکہ سے تین باتوں پر صلح فرمائی۔

۱۔ مکہ سے جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آجائے گا آپ علیہ السلام اسے مکہ والوں کو واپس کردیں گے، مدینہ والوں میں سے جو شخص مکہ چلا جائے گا، اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ اس سال مکہ مکرمہ میں مسلمان داخل نہیں ہوں گے، بلکہ اگلے سال آئیں گے۔

۳۔ اگلے سال تین دن قیام کریں گے اور جنگی ہتھیار پاس نہیں ہونگے سوائے تلوار کے اور وہ بھی نیام میں ہوگی، چنانچہ ابو جندل آگئے تو آپ علیہ السلام نے انہیں واپس کردیا۔(۴۷)

ذیل میں مذکورہ باتیں دیکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ ان شرائط پر راضی نہ تھے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عزم دیکھ کر خاموش رہے اور اپنی خواہش اور حق کو چھوڑ دینا بڑے کمال کی بات ہے۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب معاہدہ لکھا گیا تو آپ ﷺ نے لکھوایا ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' مکہ والوں نے کہا کہ ہم اللہ کو تو جانتے ہیں مگر رحمٰن ورحیم کو نہیں جانتے۔ لہٰذا (کافی بحث وتمحیص کے بعد) باسمک اللّٰھم لکھا گیا، اور آپ ﷺ نے صلح نامہ کے آخر میں لکھوایا کہ ہمارے حقوق بھی تم پر ویسے ہی ہیں جیسے تمہارے ہم پر ہیں۔ (۴۸)

محمد رسول اللہ (ﷺ) کے بجائے محمد بن عبداللہ لکھوانا:

بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) نہ لکھا جائے، کیونکہ ہمارا جھگڑا ہی یہ ہے کہ ہم انہیں اللہ کا رسول نہیں مانتے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ جو معاہدہ لکھ رہے تھے حکم دیا کہ رسول اللہ مٹا کر ابن عبداللہ لکھو، انہوں نے انکار کردیا تو آپ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے وہ لفظ مٹائے۔

ان کڑی شرائط کو تسلیم کرنے پر صحابہ کرامؓ بہت دل برداشتہ تھے، حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ میں نے یہ شرائط صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے مانی ہیں، اگر آپ علیہ السلام کسی اور کو امیر مقرر کرتے اور وہ یہ سب شرائط مانتا تو میں اس امیر کی اطاعت نہ کرتا۔ (۴۹)

بہرحال! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام کڑی شرائط مان کر یہ ثابت کیا کہ مسلمان امن اور اعتدال کے لئے بہت کچھ کرسکتے ہیں اور صحابہؓ نے تابعداری اور اپنے رسول پر مرمٹنے کی عظیم مثال قائم کی۔ (۵۰)

میثاق مدینہ، غیر مسلم رعایا سے اعتدال کا نمونہ:

ہجرت مدینہ یکم ہجری کے بعد رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود

مدینہ کے ساتھ تاریخ ساز معاہدہ ''میثاق مدینہ'' کیا، جو غیر مسلم رعایا کے ساتھ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ ہے۔ یہ معاہدہ مذہبی اعتدال پسندی اور فراخ دلی کی ایک ایسی مثال ہے، جس پر دنیا فخر کرسکتی ہے۔ موجودہ دور کی اقوامِ متحدہ بھی فریقین میں اس سے بہتر اور اعتدال پسندی روشن خیالی پر مبنی معاہدہ نہیں کراسکتی۔

''میثاق مدینہ'' انسانیت کے تاجدار مذہبی اعتدال پسندی کے علمبردار، محسن انسانیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بصیرت اور حسن تدبیر کا مثالی شاہکار ہے۔ جس سے اسلامی سوسائٹی کے مقاصد، پرامن بقائے باہمی، مثالی مذہبی اعتدال پسندی، قیام امن اور انسانی اقدار کے تحفظ میں بھرپور مدملی، ایک عظیم الشان ریاست کی تاسیس اور تعظیم .... سرکار دوعالم کا وہ کارنامہ ہے جس کی نظیر تاریخ عالم پیش نہیں کرسکتی۔

اس تاریخی معاہدہ کی بدولت غیر مسلموں اور مختلف المذاہب افراد و اقوام کے حقوق و فرائض اور اعتدال پسندی اور روشن خیالی کا اصول وضع ہوا۔ چنانچہ یہود مدینہ اور دیگر غیر مسلم اقلیتوں کو مذہبی رواداری پر مبنی اس تاریخی صحیفہ کی بدولت مندرجہ ذیل حقوق و مراعات حاصل ہوئیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت وضمانت ہر فریق کو حاصل ہے۔

۲۔ امت کے غیر مسلم ممبروں کو بھی مسلمانوں کی طرح سیاسی اور مذہبی حقوق حاصل ہیں۔ امت کے ہر گروہ کو مکمل مذہبی آزادی اور اندرونی خودمختاری حاصل ہے۔

۳۔ امت کے دشمنوں سے مسلم اور غیر مسلم دونوں مل کر جنگ کریں گے اور مشترکہ طور پر اخراجات جنگ برداشت کریں گے، مسلم اور غیر مسلم دونوں ایک دوسرے کے بہی خواہ ہیں۔(۵۱)

نامور عرب محقق اور سیرت نگار محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں:

ہر وہ تحریری معاہدہ ہے جس کی بدولت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے

آج سے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرہ کے لئے قائم کیا جس سے شرکاء معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدہ و مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوا۔ انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی۔ (۵۲)

حامد انصاری لکھتے ہیں: یہودیوں کے ساتھ مذہبی اعتدال پسندی، روشن خیالی آزادی اور ان کے حقوق کے تحفظ کی یہ تاریخی دستاویز اور اس کی دفعات اپنی حقیقت پر آپ گواہ ہیں، مذہبی اعتدال پسندی، امن و سلامتی، آزادی اور انصاف کا ہر جوہر اس میں موجود ہے۔ (۵۳)

اسلام سب کے لئے رحمت:

اسلام سارے طبقات انسانی کے لئے رحمت بن کر آیا تھا۔ اس نے غیر مسلم رعایا کو بھی اس سے محروم نہیں رکھا، اور ان کو اتنے حقوق دیئے جس کی نظیر اس سے پہلے نہیں ملتی، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قریب قریب پورا جزیرۃ العرب زیر نگیں ہو چکا تھا۔ غیر مسلم رعایا کی حیثیت سے سب سے پہلا معاملہ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ پیش آیا، ان کو آپ علیہ السلام نے جو حقوق دیئے وہ اب تک تاریخوں میں محفوظ ہیں، جن کو بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔

نجران اور ان کے اطراف کے باشندوں کی جانیں، ان کا مذہب، ان کی زمینیں، ان کا مال، ان کے حاضر و غائب، ان کے وجدان کے مقاصد، ان کی مورتیں، اللہ تعالیٰ کے امان اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمانت میں ہیں، ان کی موجودہ حالت میں کوتغیر نہیں کیا جائے گا، اور نہ ان کے حقوق میں سے کسی حق میں دست اندازی کی جائے گی اور نہ مورتیں بگاڑی جائیں گی کوئی اسقف اپنی اسقفیت سے، کوئی راہب اپنی رہبانیت سے، کنیسہ کا کوئی منقطہ اپنے عہدہ سے، نہ ہٹایا جائے گا اور جو بھی کم یا زیادہ ان کے قبضہ میں ہے، اسی طرح رہے گا، ان سے زمانہ جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا بدلہ نہ لیا جائے گا نہ ان کو ظلم کرنے دیا جائے گا اور

نہ ان پر ظلم ہوگا، ان سے جو شخص سود کھائے گا، وہ میرے ضمانت سے بری ہے۔(۵۴)

معاہدہ نجران:

اس دستاویز میں جو لکھا گیا اس کو پورا کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی امان اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری ہے، جب تک کے اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی دوسرا حکم نازل نہ ہو۔ جب تک وہ لوگ مسلمانوں کے خیر خواہ رہیں گے، ان کے ساتھ جو شرائط طے کی گئی ہیں، ان کی پابندی کریں گے، ان کو ظلم سے کسی بات پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ اس معاہدہ سے حسب ذیل حقوق متعین ہوتے ہیں۔

۱۔ ان کی جان محفوظ رہے گی۔

۲۔ ان کی زمین، جائیداد اور مال وغیرہ ان کے قبضہ میں رہے گا۔

۳۔ ان کے کسی مذہبی نظام میں تبدیلی نہ کی جائے گی، مذہبی عہدے دار اپنے اپنے عہدوں پر برقرار رہیں گے۔

۴۔ صلیبوں اور مورتیوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔

۵۔ ان کی کسی چیز پر قبضہ نہ کیا جائے گا۔

۶۔ ان سے فوجی خدمت نہ لی جائے گی۔

۷۔ اور نہ پیداوار کا عشر لیا جائے گا۔

۸۔ ان کے ملک میں فوج نہ بھیجی جائے گی۔

۹۔ ان کے معاملات و مقدمات میں پورا انصاف کیا جائے گا۔

۱۰۔ ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے پائے گا۔

۱۱۔ سودخوری کی اجازت نہ ہوگی۔

۱۲۔ کوئی ناکردہ گناہ کسی مجرم کے بدلہ میں نہ پکڑا جائے گا۔

۱۳۔ اور نہ کوئی ظالمانہ زحمت دی جائے گی۔(۵۵)

جدید زمانہ کی حکومتیں اس سے زیادہ حقوق اور کیا دے سکتی ہیں، اور یہ تو ایک مذہبی حکومت تھی ان میں وہ ساری چیزیں آ گئی ہیں، جو ایک محکوم حقوق کے تحفظ اور اس کی باعزت زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ اس سے زیادہ حقوق خود اپنی حکومت بھی نہ دے سکتی، اس نام نہاد جمہوریت اور آزادی ومساوات کے دور میں غیر مذہب اور غیر قوم کے محکوموں کے جو حقوق سلب کئے گئے ہیں، ان پر یورپ کے زیرنگیں قوموں کی تاریخ خود گواہ ہے۔

اسی زمانے کے لگ بھگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ سنائی کے قریب واقع راہب خانہ سینٹ کیتھرین کے راہبوں کو، بلکہ سارے عیسائیوں کو سند نامہ حقوق Chearter عطا فرمایا۔ جس کے بارے میں بجا طور پر کیا گیا ہے کہ دنیا کی تاریخ میں روشن خیالی اور رواداری کی جو اشرف ترین یادگاریں پیش کرسکتی ہے، یہ ان میں سے ایک ہے، یہ دستاویز، جسے مورخین اسلام نے حرف بحرف قلم بند کیا ہے، وسعت نظری، اعتدال پسندی اور روشن خیالی کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہے۔

اس دستاویز کی رو سے عیسائیوں کو چند ایسی استثنائی مراعات حاصل ہوئیں جو انہیں اپنے ہم مذہب حکمرانوں کے تحت بھی نصیب نہیں ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کردیا کہ اس دستاویز میں جو احکام مندرج ہیں، اگر کوئی مسلمان ان کی خلاف ورزی کرے گا یا ان سے ناجائز فائدے اٹھائے گا تو اسے معاہدہ سے روگردانی کرنے والا، خلاف ورزی کرنے والا اور اس کے دین کی تذلیل کرنے والا تصور کیا جائے گا۔ آپ ﷺ عیسائیوں کی حفاظت ان کے گرجوں اور ان کے پادریوں کے مکانوں کی پاسبانی اور انہیں ہر طرح کے گزند سے بچانے کی ذمہ داری اپنے ذات پر بھی اپنے متبعین پر بھی عائد کی، عیسائیوں سے یہ وعدہ کیا گیا کہ:

۱۔ ان پر کوئی ناجائز ٹیکس نہیں لگائے جائیں گے۔

۲۔ ان کا کوئی پادری اپنے علاقے سے نہ نکالا جائے گا۔

۳۔ کسی عیسائی کو اپنا مذہب ترک کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔

۴۔ کسی راہب کو اس کے راہب خانے سے خارج نہ کیا جائے گا۔

۵۔ کسی زائر کو سفر زیارت سے نہ روکا جائے گا۔

۶۔ ان کو اس کی بھی ضمانت دی گئی کہ مسجدیں یا مسلمانوں کے رہنے کے مکان بنانے کے لئے کوئی گرجا مسمار نہ کیا جائے گا۔

۷۔ جن عیسائی عورتوں نے مسلمانوں سے شادی کر رکھی تھی، ان کو یقین دلایا گیا کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہنے کے مجاز ہوں گے اور اس بارہ میں ان پر کوئی جبر و اکراہ نہ کیا جائے گا۔

۸۔ اگر عیسائیوں کو اپنے گرجاؤں یا خانقاہوں کی مرمت کے لئے یا اپنے مذہب کے کسی اور امر کے بارے میں امداد کی ضرورت ہوگی تو مسلمان انہیں امداد دیں گے۔

۹۔ اس امداد کو ان کے مذہب میں شریک ہونے سے تعبیر نہ کیا جائے گا بلکہ اسے حاجت براری اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احکامات کی اطاعت سمجھا جائے گا جو عیسائیوں کے حق میں صادر کئے گئے تھے۔

۱۰۔ اگر مسلمان کسی بیرونی عیسائی طاقت سے برسر جنگ ہوں گے تو مسلمانوں کے حدود کے اندر رہنے والے کسی عیسائی سے اس کے مذہب کی بنا پر حقارت کا برتاؤ نہ کیا جائے گا۔ اگر کوئی مسلمان کسی عیسائی سے ایسا برتاؤ کرے گا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کا مرتکب تصور ہوگا۔

۱۱۔ جو شخص بدی کا بدلہ بدی سے دینے کی طاقت رکھتا ہو، لیکن اس کے باوجود عفو کے خدائی اصول کی نہ صرف تلقین کرے بلکہ اس پر عمل بھی کرے، اس کی سیرت سے متعلق انسانوں کے دل میں ہمیشہ بزرگی کا خیال پیدا ہوا ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رئیس مملکت اور رعایا کی جان و آزادی کے محافظ کی حیثیت سے

عدل کرتے تھے تو آپ ﷺ ہر مجرم کو اس کے جرم کی پوری پوری سزا دیتے تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور معلم اسلام کی حیثیت سے اپنے بدترین دشمنوں سے بھی نرمی اور رحم کا سلوک کرتے تھے، آپ ﷺ کی ذات میں وہ افضل ترین صفات جن کا تصور انسان کرسکتا ہے۔ یعنی عدل اور رحم مجتمع تھیں۔(۵۶)

یورپ کا اعتراف حقیقت:

اس تاریخی اور ناقابل تردید حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے یورپ کا مشہور مورخ ایڈورڈ گبن Edward Gibbon لکھتا ہے:

> عیسائی رعایا کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا تامل ان کے جان و مال کا تحفظ پیشہ کی آزادی اور مذہبی رواداری کی ضمانت دی۔(۵۷)

فتح مکہ کے مفتوحین کے لئے اعتدال:

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے مشرکین مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"تم پر کوئی ملامت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو"

صرف یہی نہیں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے رواداری اور عام معافی کے ا مثالی اعلان کے ساتھ امن کے قیام اور استحکام کے لئے مندرجہ ذیل ہدایات جاری فرمائی تھیں

۱۔ جو کوئی ہتھیار پھینک دے اسے قتل نہ کیا جائے۔

۲۔ جو کوئی خانہ کعبہ کے اندر پہنچ جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔

۳۔ جو کوئی اپنے گھر بیٹھ رہے اسے قتل نہ کیا جائے۔

۴۔ جو کوئی ابوسفیان کے گھر جا رہے اسے قتل نہ کیا جائے۔

۵۔ جو کوئی حکیم بن حزام کے گھر جا رہے اسے قتل نہ کیا جائے۔

۶۔ بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔

۷۔زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔(۵۸)

ایک ہندو کا اعتراف حقیقت:

مشہور ہندو سیرت نگار سوامی لکشمن پرشاد! ''فتح مکہ'' کے موقعہ پر محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مثالی عفوو درگزر اور اعتدال پسندی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

جانی دشمنوں کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس انتہائی کریم النفسی اور اعتدال پسندی کا عہد جدید کی دعویدار تہذیب وتمدن کی حکومتوں کی ان شرمناک عیارانہ چالوں سے مقابلہ کیا جائے جو انہوں نے ۱۹۱۴ء کی عالم سوز جنگ میں ایک دوسرے کو سامان خورد ونوش سے محروم کرنے کے لئے استعمال کیں، تو اس واقعہ کی قدر و قیمت بدر جہا بڑھ جاتی ہے۔(۵۹)

اعتدال اور امن پسندی کا ایک حیرت انگیز مظاہرہ اس وقت سامنے آیا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چار افراد کو مباح الام یا واجب القتل قرار دیا تھا ان میں سے صرف ایک ہی شخص مارا گیا اور باقی لوگ مختلف اوقات میں خدمت نبوی میں حاضر ہوتے رہے اور انہیں معافی ملتی رہی، حتی کہ ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہ جب نادم ہوکر حاضر ہوئے تو آپ فرط مسرت کھڑے ہو گئے اور انہیں معافی عطا فرمائی۔

عہد صدیقی میں بین المذاہب اتحاد، یگانگت وہم آہنگی:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی عفت، پارسائی، رحمدلی، راست بازی، دیانتداری، معاملہ فہمی، روشن خیالی، اعتدال پسندی، عجز، تواضع، زہد وتقویٰ کی بدولت بارگاہ رسول اور محرم اسرار نبوت بن گئے تھے۔انہوں نے اپنی زندگی اپنے رسول کے اسوہ کے مطابق ہی گزاری۔(۶۰) آپ ﷺ کے عہد خلافت میں مجرموں کے ساتھ بڑی نرمی اور رحمدلی سے پیش آتے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اشعث بن قیس نے دیگر جھوٹے مدعیان کی طرح نبی ہونے کا دعویٰ کیا جب وہ گرفتار ہوکر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے پیش

کئے گئے تو انہوں نے توبہ کی آپ نے انہیں معاف کر دیا۔(۶۱)

اس طرح طلیحہ نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا، لیکن حضرت ابوبکرؓ کے پاس معذرت لکھ کر بھیجی تو ان کا دل آئینہ کی طرح صاف ہو گیا اور ان کو مدینہ واپس آنے کی اجازت دے دی۔(۶۲)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب شام کی مہم پر لشکر روانہ کیا تو امیر لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا: ''تم ایک ایسی قوم کو پاؤ گے جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے وقف کر دیا، ان کو چھوڑ دینا، میں تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں: کسی عورت، بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، پھل دار درخت کو نہ کاٹنا، کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا، بکری اور اونٹ کھانے کے سوا بیکار نہ ذبح کرنا، نخلستان نہ جلانا، مال غنیمت میں میں غبن نہ کرنا اور بزدل نہ ہو جانا۔(۶۳)

عہد فاروقیؓ میں بین المذاہب اتحاد، یگانگت وہم آہنگی:

عہد فاروقی کا نظم ونسق اگرچہ بہت سخت تھا، لیکن ممالک مفتوحہ کے غیر مسلم باشندوں کے لئے ان کا دل بہت نرم تھا، ان سے ہر طرح کا فیاضانہ، شریفانہ اور روادارانہ برتاؤ کیا، ان کے زمانے میں حضرت ابوعبیدہ کی سپہ سالاری میں شام فتح ہوا، حضرت ابوعبیدہؓ نے وہاں کے لوگوں سے معاہدہ کیا کہ ان کے گرجے اور خانقاہیں محفوظ رہیں گی، ان کو اپنے تہوار میں جھنڈے کے بغیر صلیب نکالنے کی اجازت ہوگی، حضرت عمر فاروقؓ نے اس معاہدے کے بعد لکھ بھیجا کہ مسلمان ذمیوں پر ظلم نہ کرنے پائیں، نہ ان کو نقصان پہنچائیں نہ ان کا مال بلاوجہ غصب کریں اور جتنی شرطیں ہیں ان کو پورا کیا جائے۔(۶۴)

عہد فاروقی میں مصر کی فتح پر حضرت عمرو بن عاصؓ نے لڑائیوں کی تلخیاں دل سے بھلا دیں، جب وہاں کے عیسائیوں نے ان کو اپنے ہاں مدعو کیا تو آپؓ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دعوت میں شریک ہوئے اور پھر ان کو اپنے ہاں جوابی دعوت میں مدعو کیا۔(۶۵)

ایک موقعہ پر حضرت عمر فاروقؓ کہیں سے گزر رہے تھے ایک بوڑھے اندھے سائل کو

بھیک مانگتے دیکھا تو اس سے پوچھا تم کس مذہب کے پیرو ہو، اس نے جواب دیا، یہودی ہوں پھر پوچھا بھیک کیوں مانگتے ہو وہ بولا بوڑھا ہو کر محتاج ہو گیا ہوں، جزیہ کی رقم بھی ادا کرنی پڑتی ہے، حضرت عمرؓ اس کو اپنے ساتھ گھر لے گئے اور گھر سے لا کر کچھ دیا، پھر بیت المال کے خازن کو بلا کر حکم دیا کہ اس کا اور اس طرح کے اور مجبور لوگوں کا خیال رکھو یہ بات انصاف کے خلاف ہے کہ ایسے لوگوں سے جوانی میں تو جزیہ وصول کر کے فائدہ اٹھایا جائے اور بوڑھے ہوں تو ان کو بے سہارہ چھوڑ دیا جائے، اس کے بعد اس یہودی اور اس طرح کے اور لوگوں کا جزیہ معاف کر دیا۔(٦٦)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ اسلاف کے کارناموں اتحاد و یگانگت و ہم آہنگی سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ مگر بدقسمتی سے کہ جو مسلمان علم سے اور اپنے اسلاف کی میراث سے ناآشنا تنگ نظری کی طرف گامزن ہے، جس سے خود بھی نقصان اٹھا رہا ہے اور غیر مسلموں کا داخلہ حلقہ اسلام میں بند کرنے کا سبب بھی بن رہے ہیں۔

خلاصہ کلام:

ہمارے نبی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی عملی اور روشن مثالیں اس بات کی وضاحت کرتی ہیں، کہ آپؐ کا انداز اور مزاج تبلیغی تھا۔ مذہب کو مسلط کرنے یا زبردستی مجبور کر کے اسلام قبول کرانے کا نہ تھا۔ آپ نے گزشتہ صفحات میں رواداری اور غیر مسلموں کو حقوق دینے اور حسن سلوک کی مثالیں پڑھیں، ان تمام باتوں کا لب لباب اور خلاصہ و حاصل یہ ہے کہ:

دور جدید میں بین المذاہب عالمی اتحاد، یگانگت و ہم آہنگی انتہائی ضروری ہے اور بڑی اہمیت کی حامل ہے اور یہ عین اسلامی تعلیمات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ہے ابھی حال ہی میں ہمارے ملک میں زلزلے کی جو قدرتی آفت آئی تو پوری عالمی برادری جس میں ہر مذہب کے ماننے والے لوگ تھے ہماری مدد کے لئے امڈ آئے۔

یہ تاریخی حقیقت بھی ہمارے سامنے ہے کہ اسلام امن و سلامتی کا داعی، اتحاد و یگانگت اور احترام انسانیت کا سب سے عظیم علمبردار ہے، اسلام نے دنیا کو امن و سلامتی، اتحاد و یگانگت اور احترام انسانیت کا درس دیا، اس نے پر امن بقائے باہمی کے لئے بلاتفریق مذہب و ملت، **لکم دینکم ولی** دین۔(٦٧) کا نظریہ عطا کر کے غیر جانبداری، بین المذاہب عالمی اتحاد و یگانگت و ہم آہنگی کا فلسفہ عطا کیا۔ اس لئے ہمیں آج دنیا کی ہر حکومت، ہر ملک اور ان کے باشندوں کے ساتھ احترام اور جذبہ ترحم کے ساتھ ملنا ہے۔علامہ شبلی نعمانی کیا خوب لکھتے ہیں:

''انسان کے ذخیرہ اخلاق میں سب سے زیادہ کم یاب، نادرالوجود شئے دشمنوں پر رحم اور ان سے عفو و درگزر ہے۔ لیکن حامل وحی نبوت، کی ذات اقدس میں یہ حس فراواں تھی آپ ﷺ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔(٦٨)

آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ اور میثاق مدینہ کے ذریعے غیر مذہبوں کے ساتھ یگانگت و ہم آہنگی قائم کر کے عملی طور پر دکھایا اور قرآن کریم کی رہنمائی کے ذریعے آپ کو ہر قسم کے مذہبی تعصب سے منہ موڑنے کی ہدایات عظمیٰ بھی اس موقف کی ٹھوس دلیلیں ہیں۔(٦٩) اسی طرح سورۂ آل عمران۔ میں بھی ہمیں یہ حکم ملتا ہے۔(٧٠) یہی سبق ہمیں سورۂ النساء میں بھی دیا گیا۔(٧١)

دنیا کے تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ان کا خالق بھی ایک ہی ہے، اس کے نزدیک نسلی یا ملکی اختلافات کی کوئی حیثیت نہیں ہے، تمام انسان بحیثیت انسان برابر ہیں، ہمیں سب کے ساتھ اتحاد و یگانگت رواداری اور ہم آہنگی پیدا کرنی ہے، رنگ و نسل و زبان کا فرق باہمی تعارف کے لئے ہے۔(٧٢) قرآن کریم خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں اور اہل کتاب کو قریب آنے کی دعوت دیتا ہے، ان کے ساتھ اتحاد و ہم آہنگی قائم کرنے کا حکم دیتا ہے، اور تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، انہیں برحق بتاتا ہے تمام انبیاء اور کتب پر ایمان لانا تکمیل ایمان کے لئے ضروری قرار دیتا ہے۔(٧٣) اگر کفار صلح کی طرف جھکیں تو قرآن کریم

ہمیں ان سے صلح و اتحاد قائم کرنے کا حکم دیتا ہے اور کہتا ہے کہ صلح رکھو اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔(۷۴) مغرب کو یہ باور کرایا جائے کہ اگر مسلمان مذہبی ہوں گے تو اتحاد و ہم آہنگی برقرار رکھنے میں آسانی ہوگی، بقول علامہ قرضاوی ''مغرب کے لئے بہتر یہی ہے کہ مسلمان مذہبی ہوں، اپنے مذہب سے مخلص ہوں اور اچھے اخلاق والے بننے کی کوشش کریں۔(۷۵) وحدت انسانی کے تصور کو بین المذاہب اور عالمی سطح پر اجاگر کیا جائے اور اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات عام کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔'' (۷۶) تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا۔(۷۷)

ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم بین الاقوامی تقاضوں اور ضرورتوں کو محسوس کریں، ہم کو اپنے رویئے سے دوسروں کو اپنے سے محبت کرنے والا بنانا ہے، اپنا اتحادی بنانا ہے۔

ولقد کرمنا بنی آدم.(۷۸)

تحقیق ہم نے اولادِ آدم کو عزت بخشی ہے۔

دوسروں کے نقطہ نظر کو ہم نے سمجھنا ہے، اور یہ دیکھنا ہے کہ اقوام عالم ہمیں کس زاویئے سے دیکھتی ہے، اپنے معاشرے کے بارے میں اقوامِ عالم کی سوچ میں مثبت تبدیلی لاکر ان کو اپنا ہمنوا اور معاون بنانا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر جو عدم اعتماد کی فضا ہے اسے ختم کرنا ہے اور عالمی سطح پر جو پروپیگنڈہ مہم ہے اور بے یقینی اور عدم اعتماد کی فضا قائم ہے سیرۃ طیبہ کی روشنی میں اس کو ختم کرنا ہے، اسی میں ہماری فلاح و نجات مضمر ہے۔

غیر مسلم اقوام کو دعوت:

غیر مسلم اقوام خصوصاً یورپ اور امریکہ کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے۔ کہ جس مذہب کو وہ خود امن کا مذہب سمجھتے اور کہتے آئے ہیں۔ جو ان کے عالمی رہنماؤں کے بیانات سے بھی واضح ہے۔

اُنہیں چاہئے کہ مسلمان علاقوں سے اپنی غاصب افواج واپس بلا کر خود بھی امن کے داعی ہونے کا ثبوت دیں۔ عالمی مفکرین نے یہ بات ثابت کردی ہے۔ جو دنیا کے ہر پر امن

فورم پر کہی جارہی ہے، کہ دنیا میں موجود جنگوں اور دہشت گردی کا بنیادی نکتہ مسلم علاقوں میں امریکی اور نیٹو افواج کی موجودگی ہے جب تک یہ مسئلہ حل نہ ہوگا ہم مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں کو احتجاج اور جنگی عزائم سے باز نہیں رکھ سکتے۔ ہماری پوری تحریر کو اسی پیرائے میں سمجھا جائے کہ ہم دنیا بھر میں ہونے والی شدت پسندانہ کارروائیوں کو اسی تناظر میں دیکھتے ہیں کہ اگر وہ بے گناہ اور جنگ سے تعلق نہ رکھنے والی اقوام پر کی جارہی ہیں، تو ہم انہیں مسترد کرتے ہیں، ان سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں اور جہاں غاصب افواج کے خلاف مزاحمت کی جارہی ہے، اس کے ہم خلاف نہیں ہیں۔

ہم اسلام کے پیروکار ہیں جو امن و آشتی کا مذہب ہے اور امن تلوار کی نوک کے نیچے بے گناہ مسلمانوں کی لاشوں کی موجودگی میں قائم نہیں ہو سکتا۔

حواشی وحوالہ جات:

۱. Encyclopadia of Religon Ethics "Religion" Edindury 1967, V-1, P-263

۲۔ محمد اسد، ڈاکٹر، اسلام اور مغرب، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۹۸ء، ص۴۴

۳۔ Schimidt P-W the Origin and Growth Religin, P.134, London.

۴۔ محمد اسد، ڈاکٹر، اسلام اور مغرب، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۹۸ء، ص۴۰

۵۔ القرآن سورہ ال عمران، آیت ۱۹

۶۔ القرآن سورہ توبہ، آیت ۳۳

۷۔ القرآن سورہ روم، آیت ۳۰

۸۔ القرآن سورہ کافرون، آیت ۶

۹۔ ابن منظور، علامہ، لسان العرب، نشر ادب الجوزہ، قم ایران ۱۴۰۵ھ، ص ۱۶۹، لوئیس معلوف/

المنجد، انتشارات اسلام، تہران ایران ۱۳۸۰ھ، ص ۲۳۱، ج ۱۳

۱۰۔ القرآن سورہ شوریٰ، آیت ۱۳

۱۱۔ القرآن سورہ مائدہ، آیت ۴۸

۱۲۔ پانی پتی، قاضی ثناء اللہ، التفسیر المظہری، بلوچستان بکڈ پوکوئٹہ، ۱۹۹۳ء، ج ۸، ص ۶۳

۱۳۔ القرطبی، عبداللہ محمد، الجامع لاحکام القرآن، دارالکتب المصریہ قاہرہ، ۱۹۹۷ء، ج ۱۶، ص ۱۱۰

۱۴۔ رازی، امام فخر الدین، التفسیر الکبیر، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۵ء، ج ۲، ص ۱۵۶

۱۵۔ بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، نور محمد کارخانہ تجارت، کراچی ۱۹۶۱ء، ج ۱، ص ۴۹۰

۱۶۔ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، نور محمد کارخانہ، کراچی ۱۹۶۱ء، ص ۲۹۰

۱۷۔ القرآن سورہ الحج، آیت ۷۸

۱۸۔ القرآن سورہ انعام، آیت ۱۶۱

۱۹۔ القرآن سورہ بقرہ، آیت ۱۳۰

۲۰۔ Rehan Aziz, way to Islam, Saira Publishing Karachi, 2001, p.87

۲۱۔ القرآن سورہ حجرات، آیت ۱۰

۲۲۔ تبریزی، محمد بن عبداللہ الخطیب، مشکاۃ المصابیح، نور محمد کارخانہ تجارت دہلی و کراچی، ۱۳۵۰ھ، ص ۴۲۲

۲۳۔ القرآن سورہ مائدہ، آیت ۳

۲۴۔ القرآن سورہ شوریٰ، آیت ۴۸

۲۵۔ The Great Religions of the modren world London, p-324

۲۶۔ خصوصیات اسلام، محمد شاہل، ماریہ بکڈ پو کراچی، ۱۹۹۹ء، ص ۲۲۳

۲۷۔ القرآن سورہ یونس، آیت ۹۹

۲۸۔ القرآن سورہ نحل، آیت ۱۲۴

۲۹۔ محمد بن عبداللہ تبریزی، مشکاۃ المصابیح، نور محمد کارخانہ دہلی و کراچی، ۱۳۵۰ھ، ص ۳۱

۳۰۔ تبریزی، محمد بن عبداللہ، مشکاۃ المصابیح، نور محمد کارخانہ دہلی و کراچی، ۱۳۵۰ھ، ص ۳۰

۳۱۔ Shafibeg "The Arab and Arabic Cultur" Muslim Publisher Karachi, 2003, p-128

۳۲۔ القرآن سورہ ال عمران، آیت ۱۹

۳۳۔ القرآن سورہ ال عمران، آیت ۸۵

۳۴۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ادارہ اسلامیات لاہور، ص ۲۲۹.

۳۵۔ القرآن سورہ نحل، آیت ۱۲۵

۳۶۔ ملا علی القاری، مرقاۃ المفاتیح علی المشکوٰۃ، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، ج ۱۱، ص ۲۴۴

۳۷۔ Jhanogilvie, LLD "The imperial dictionary, the Gresham Publishing company, 1996, P-232

۳۸۔ J.A. Simpson and E.S.C weiner "The Oxfod Englis dictionry, clarndon press, 1989, p-619

۳۹۔ Harper collins, B.B.C Dictinary, colling, Publisher Ltd, 1993, p-390

۴۰۔ Harper collins, B.B.C Dictinary, colling, Publisher Ltd, 1993, p-40

۴۱۔ Mavis Hiltunen Bigsanz and Jhon Biesanz "Introduction to Sociology (3rd ed) Prentice Inc, Englewood cliffs, new jersy, 1978, p-145-6

۴۲۔ Mavis Hiltunen Bigsanz and Jhon Biesanz "Introduction to Sociology (3rd ed) Prentice Inc,

Englewood cliffs, new jersy, 1978, p-145-6

۴۳۔ جسکانی لعل بخش، سماجیات جو تعارف، پاکستان اسٹڈی سینٹر سندھ یونیورسٹی جامشورو ۱۹۹۳ء، ص ۴۵۔۴۰

۴۴۔ سلیمان ندویؒ، سیرت النبی ﷺ، مکتبہ مدنیہ لاہور، ۱۹۹۴ء، ج ۴، ص ۲۱۵

۴۵۔ سلیمان ندویؒ، سیرت النبی ﷺ، مکتبہ مدنیہ لاہور، ۱۹۹۴ء، ج ۴، ص ۲۱۲

۴۶۔ ابن سعد، محمد، طبقات ابن سعد اردو، دارالاشاعت کراچی ۲۰۰۳ء، ص ۳۰۱

۴۷۔ ایضاً،

۴۸۔ ایضاً،

۴۹۔ ایضاً،

۵۰۔ ایضاً،

۵۱۔ برکات احمد، رسول اکرم ﷺ اور یہود حجاز، مکتبہ عالیہ لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۸۲

۵۲۔ ہیکل، محمد حسین، حیات ﷺ، النہضۃ العصریہ، قاہرہ، ۱۹۴۷ء، ص ۲۲۷

۵۳۔ حامد انصاری، مولانا، اسلام کا نظام حکومت، مکتبہ عالیہ لاہور، ۱۹۸۰ء، ص ۱۴

۵۴۔ بلاذری، فتوح البلدان، دارالنشر الاسلامیہ القاہرہ، ۱۹۵۷ء، ص ۴۷

۵۵۔ ابن سعد، محمد، طبقات ابن سعد اردو، دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۳ء، ص ۴۶۲

۵۶۔ امیر علی، روح اسلام، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۱۸۰

۵۷۔ Gibbon Edword the declin and fall of the Roman empire, avery man edition london, v-5, p-269-279

۵۸۔ محمد سلمان منصور پوری قاضی، رحمت للعالمین، دارالاشاعت کراچی، ۱۴۱۱ھ، ص ۱۲۹

۵۹۔ سوامی لکشمن پرشاد، عرب کا چاند، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ص ۲۵۳، طبع پنجم

۶۰۔ عکرمہ کے لئے کھڑا ہو جانے کا حوالہ، ابن قدامہ مقدسی، کتاب التوابین اردو، مترجم ثناءاللہ محمود، مطبوعہ ۔الاشاعت کراچی، ۱۹۹۹ء، ص ۱۲۳، حضرت ابوبکر کا حوالہ، معین الدین ندوی، خلفاء راشدین، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۹۰ء ص ۵.

مزید دیکھئے: محمد بن سعد، طبقات ابن سعد اردو، دارالاشاعت کراچی، ۲۰۰۳ء، ج ۲، ص ۶۶

۶۱۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۰ء، ج ۲، ص ۱۴۵

۶۲۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۰ء، ج ۲، ص ۱۴۵، مگر سیر اعلام النبلاء میں لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ سے معافی مانگی تھی دیکھئے: علامہ ذہبیؒ، سیر اعلام النبلاء، داالکتب للنشر والتوزیع بیروت، ۱۹۹۵ء، ج ۳، ص ۲۳۰

۶۳۔ معین الدین ندوی، خلفاء راشدین، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۰ء، ص ۶۱

۶۴۔ شبلی نعمانی، الفاروق، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ۱۹۸۰ء، ص ۱۴۰

۶۵۔ ایضاً، ص ۱۲۰

۶۶۔ ابو یوسف، قاضی، کتاب الخراج، باب ۱۳، فصل ۲، داالکتب العلمیہ بیروت، ۱۹۹۵ء

۶۷۔ القرآن سورہ کافرون، آیت ۶

۶۸۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ مکتبہ مدینہ لاہور ۱۴۰۸ھ، ج ۲، ص ۲۱۴

۶۹۔ القرآن سورہ بقرہ، آیت ۱۰۹، ۱۰۵، ۸۸، ۸۷، ۲۱۷، ۱۳۰، ۱۱۱

۷۰۔ القرآن سورہ ال عمران، آیت ۷۲ تا ۷۴

۷۱۔ القرآن سورہ نساء، آیت ۵۱

۷۲۔ القرآن سورہ نساء، آیت ۱، القرآن سورہ حجرات، آیت ۱۳

۷۳۔ القرآن سورہ بقرہ، آیت ۴، القرآن سورہ نحل، آیت ۳۶

۷۴۔ القرآن سورہ الانفال، آیت ۶۱

۷۵۔ یوسف القرضاوی، مسلمانوں کا سیاسی عروج وزوال، منشورات لاہور، ۲۰۰۲ء، ص ۲۰۱

۷۶۔ احمد بن حنبل، المسند، دارالاحیاء التراث العربی بیروت، ۱۹۹۳ء، ج ۳، ص ۱۹۶

۷۷۔ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، نور محمد کارخانہ تجارت کراچی، ۱۹۶۱ء، ص ۱۸۰

۷۸۔ القرآن سورہ بنی اسرائیل، آیت ۷۰